Regd. No. A 923
Telephone. No. 39
Telegram. "ANJUMAN"

چندہ سالانہ [illegible]
ایک پرچہ نئے دس پیسے
تاریخ اشاعت

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۱۶ | علی گڈھ - یکم جون ۱۹۵۷ء | شمارہ ۲۱

لندن سے اردو کا پہلا ماہنامہ

ـــــــ نادم سیتاپوری

یوں تو بنگال میں قدم جمانے کے بعد ہی انگریزوں نے اردو زبان اور ادب کو ایک سیاسی رابطہ اتحاد بنانے کا کام شروع کر دیا تھا اور ۱۸۰۰ء تک کلکتہ اور مدراس میں کئی ایسے مدرسے اور اسکول قائم کر دیے گئے جن میں نو وارد انگریزوں کو فارسی اور اردو کی مروجہ تعلیم سے روشناس کرایا جا رہا تھا لیکن انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریز دہلی اور اودھ کی بساط اور رنگ الٹ کر سارے ہندوستان پر قابض ہو گئے تو یہ "سیاسی رابطہ اتحاد" پھیلتا ہی چلا گیا۔ مغربی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہندوستانی طلبا انگلستان جانے لگے۔ سیاسی حد پر ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے والیان ملک۔ جاگیردار۔ امراء اور تعلقداروں نے ولایت کے سفر شروع کئے۔ اور رفتہ رفتہ یہ "نئی غلام نو آبادی" لندن کی ایک چھوٹی سی کالونی بن گئی جو سر سے پاؤں تک مغربیت کو اپنانے کے باوجود اپنی تہذیب۔ اپنے تمدن و معاشرت اور اپنی زبان کو سات سمندر پار بھی سینے سے لگانے پر مجبور تھے کیونکہ یہی ان کی ایک قومی نشانی تھی جو اس دور دیس میں اپنے پرائے کی پہچان بھی جا سکتی ہے۔

"النحل" انگریزی۔ عربی اور اردو کا پہلا مشترک پندرہ روزہ اخبار تھا جو مارچ ۱۸۸۰ء میں لندن سے جاری کیا گیا تھا۔ سولہ صفحے کا یہ مختصر سا باتصویر اخبار اردو، انگریزی اور عربی میں شائع ہوتا تھا۔ "یوسف بے۔ وش ماہوبجی" اس اخبار کے ایڈیٹر تھے لیکن اس میں چھپنے والے مضامین کی اردو اور عربی کچھ ایسی "فنکاری" تھی کہ یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ وہی ماہوبجی تھے جو مشہور شاعر اور سیاح "بلنٹ" کے سکریٹری کی حیثیت سے کافی دنوں تک ہندوستان میں رہے ہیں، یا کوئی اور؟ زبان کی خامیاں ہوں یا ہندوستانی تہذیب و مذاق سے ناواقفیت پندرہ روزہ "النحل" بہت دنوں تک پندرہ روزہ اخبار کی حیثیت سے زندہ رہ سکا اور ۱۸۸۰ء کے جو فائل مسلم یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اخبار اپنی زندگی کے آخری دور میں صرف ایک "ماہنامہ" رہ گیا تھا اور بالآخر یہ ماہنامہ بھی آخری ہچکیاں لیکر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا کیونکہ "اردو" زبان کا ایک کالم شامل کرنے کے باوجود یہ لندن میں مقیم ہندوستانیوں کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا تھا۔

اس ماہنامہ کے بند ہو جانے کے بعد لندن سے شائع ہونے والے جس اردو ماہنامے کا سراغ ملتا ہے وہ ماہنامہ "ہندوستان" لندن ہے جسے "النحل" بند ہو جانے کے تین چار سال بعد اگست ۱۸۸۴ء میں سر راجہ رامپال سنگھ تعلقدار کالا کانکر (ضلع پرتاب گڈھ۔ یوپی) نے جاری کیا تھا۔ "مسٹر ٹیل" اس کے ایڈیٹر تھے اور بابو بیشیشور دیال وکیل الہ آباد ہندوستان میں اس کے ایجنٹ تھے۔

ماہنامہ "ہندوستان" کے ابتدائی یا آخری فائل کے کوئی پرچے ابھی تک مجھے کہیں بھی نہیں مل سکے اس لئے اس کے صحافتی معیار پر کسی قسم کا تبصرہ نہیں کیا جا سکتا لیکن سولہ صفحے کا یہ مختصر سا اردو ماہنامہ جیسا کچھ بھی ہو لندن سے شائع ہونے والا پہلا اردو ماہنامہ ضرور کہا جا سکتا ہے کیونکہ "النحل" انگریزی۔ عربی اور اردو زبان کا ایک مشترک رسالہ تھا اور "ہندوستان" صرف اردو زبان کا ترجمان!

لندن سے شائع ہونے والے اس پہلے اردو ماہنامے کی تفصیلات کے لئے ہمیں ہندوستان کی اس پہلی "تاریخ صحافت" ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے جسے اختر الدولہ حاجی سید محمد اشرف نے "اختر شہنشاہی" کے نام سے مرتب کر کے ۱۸۸۸ء میں شائع کیا تھا۔ یہ کتاب جو تقریباً ڈیڑھ ہزار اردو ہندی۔ فارسی اور عربی اخبارات کی ایک تاریخ کہی جا سکتی ہے۔ اگرچہ آج ہمارے وقت کی ضرورتوں کو مکمل طور سے پوری نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ بھی یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہندوستانی صحافت پر برا یا بھلا جو کچھ بھی ملتا ہے وہ ایک یہی کتاب ہے۔ یا پھر فرانسیسی مستشرق "گارساں دتاسی" کے خطبات؛ اس کے علاوہ کہیں کچھ

بھی نہیں ملی۔ "اختر شہنشاہی" جسے اختر الدولہ نے اپنے ہی مطبع "اختر پریس لکھنؤ" سے جون ۱۸۸۸ء میں شائع کیا تھا آج ایک کمیاب کتاب بن چکی ہے اور کہیں کسی قیمت پر دستیاب نہیں ہوتی۔

اختر الدولہ نے ماہنامہ "ہندوستان" لندن کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"ہندوستان" شہر لندن ۱۵۹ سینٹ پارک روڈ۔ بارنسلے۔ ایڈیٹر و مہتمم۔ نجیبل صاحب۔ ماہوار۔ ۸ ورق۔ سالانہ چار روپے ۸ آنے۔ مالک راجہ رامپال سنگھ بہادر آنریری مجسٹریٹ و تعلقدار کالا کانکر ضلع پرتاب گڑھ۔ ایجنٹ بابو شیشور دیال وکیل ہائی کورٹ الہ آباد۔ تاریخ اجراء اگست ۱۸۸۴ء"

صفحہ ۲۹۳۔ اختر شہنشاہی

"اختر شہنشاہی" کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ماہنامہ سر راجہ رامپال سنگھ نے لندن سے جاری کرایا تھا جس کا اصل مقصد یقیناً یہی ہوگا کہ انگلستان میں مقیم ہندوستانیوں کو ان کی ملکی زبان "اردو" سے قریب تر رکھا جائے اور وہ اجنبی دیس کی ماحول اور کلچر میں ضم ہو کر اپنی زبان اور کلچر کو نہ بھلا بیٹھیں۔ اس دور میں یہ شکایت عام ہو چلی تھی کہ لندن سے واپس آنے والے نوجوان اپنی تہذیب، اپنے کلچر، اپنی زبان اور اپنے مذہب کو سات سمندر پار ہی چھوڑ آتے ہیں — اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مغربی تعلیم کو خلاف مذہب قرار دے کر اس کے خلاف ایک باقاعدہ محاذ جنگ قائم کیا گیا تھا جس کا پہلا نشانہ سر سید اعظم تھے اور علی گڑھ تحریک! ماہنامہ "ہندوستان" کے بانی سر راجہ رامپال سنگھ نے سر سید اعظم کو بھی بہت قریب سے دیکھا تھا اور ان کی تحریک کا بھی کافی مشاہدہ کر چکے تھے "سر راجہ" کی ابتدائی تعلیم تو اپنے بریلی ہائی اسکول میں ہوئی تھی مگر کیں محمڈن کالج علی گڑھ میں ہوئی۔ علی گڑھ کا یہ ابتدائی دور تھا سر راجہ نے یہاں رہ کر وہ سب کچھ حاصل کر لیا جسے ایک محب وطن ہندوستانی کو ضرورت تھی چنانچہ ان کے ایک یورپین استاد نے کہا تھا۔

"جب تک ہندوستان کے روساء میں "راجہ رامپال سنگھ" جیسے شخص پیدا ہو سکتے ہیں اس وقت تک انھیں اپنے مستقبل کی طرف سے مایوس نہ ہونا چاہیے۔"

(ماہنامہ "زمانہ" کانپور بابتہ مئی ۱۹۳۶ء)

علی گڑھ کی تعلیم اور ماحول ہی کا اثر کہنا چاہیے کہ "سر راجہ" نے زندگی کی پہلی منزل میں قدم رکھتے ہی اس ضرورت کو محسوس کیا کہ لندن سے اردو زبان کا ایک ماہنامہ جاری کیا جائے اور اس کام کے لئے انھوں نے اپنے پاس سے روپیہ خرچ کر کے ماہنامہ "ہندوستان" جاری کیا — اور ان کی یہ کاوش یقیناً علی گڑھ تحریک" کی ایک کڑی کہی جا سکتی ہے جس کے متعلق یہ قیاس کرنا بیجا نہ ہوگا کہ اس اردو ماہنامہ کا اجراء سر سید اعظم ہی کے مشاورتی پس منظر کا نتیجہ تھا۔

سر راجہ رامپال سنگھ جن کی وفات ۲۰۔۱ اپریل ۱۹۰۹ء کو ہوئی اپنے دور کی ان نمایاں ہستیوں میں تھے جنھوں نے اپنے زمانے کی سیاست میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دئے تھے۔ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں انھیں شدھی سنگٹھن۔ اور مہا سبھا کی تحریکوں سے بھی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی لیکن اس کے باوجود وہ یوپی میں "ہندو مسلم" اتحاد کا ایک "سنگ میل" سمجھے جاتے تھے۔ بچپن کی شادی، جہیز کی لعنت اور ایسی ہی دوسری سماجی برائیوں کے خلاف وہ ہمیشہ برسر پیکار رہے۔ علمی اور صحافتی سرگرمیوں کا یہ حال تھا کہ جب انگریزی روزنامہ "پانیر" کی خریداری کا سوال پیدا ہوا تو سر راجہ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے مرحوم مہاراجہ صاحب محمود آباد کے ہم آواز ہو کر اس کی تائید کی کہ "انجمن تعلقداران اودھ" اس روزنامے کو خریدے چنانچہ انھیں دونوں کی کوشش سے "پانیر" نے ایک حیات نو پائی اور آج بھی زندہ ہے۔

"پانیر" کی زندگی اگر سر راجہ کی صحافتی دلچسپی کا آخری کارنامہ ہے تو لندن کا پہلا اردو ماہنامہ "ہندوستان" سر راجہ کی صحافتی سرگرمیوں کا وہ تاریخی آغاز تھا جسے ہندوستان کی تاریخ صحافت کبھی نہ بھلا سکے گی۔

ہماری زبان

یکم جون ۱۹۵۷ء

پنجاب میں اُردو

پنجاب میں ایک عرصے سے ہندی اور پنجابی کے طرفداروں میں رسہ کشی ہو رہی ہے۔ اب یہ بات واضح ہوتی جارہی ہے کہ ہندی اور پنجابی دونوں صوبے کی سرکاری زبانیں تسلیم کی جائیں گی۔ پنجاب کے وزیر تعلیم نے اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ ہندی اور پنجابی دونوں کی لازمی تعلیم سے صوبے میں ذہنی یگانگت بڑھے گی اور زبانوں کا اختلاف رفتہ رفتہ کم ہو جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ پنجابی کے علم بردار پہلے تو ایک علیحدہ پنجابی صوبے کے حق میں تھے لیکن رفتہ رفتہ اس پر راضی ہو گئے ہیں کہ لسانی اعتبار سے پنجاب کو پنجابی اور ہندی علاقے میں بانٹ دیا جائے اور دونوں زبانیں سرکاری طور سے تسلیم کر لی جائیں۔ اب آریہ سماج اور جن سنگھ نے اس کی مخالفت شروع کی ہے اور یہ چاہتے ہیں کہ ہریانے اور جالندھر میں پنجابی لازمی طور پر نہ پڑھائی جائے۔ دیکھئے اس مخالفت کا کیا انجام ہوتا ہے۔ اس ضمن میں دلچسپ بات یہ ہے کہ آج بھی پنجاب میں اردو کا چلن سب سے زیادہ ہے۔ اردو کے سب سے کثیر الاشاعت اخبار اسی صوبے میں ہیں۔ اردو کی کتابیں یہیں سب سے زیادہ بکتی ہیں اردو تو اردو فارسی کے امتحانوں میں بھی ہندو اور سکھ بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں اور امتیاز سے کامیابی حاصل کرتے ہیں بڑے بڑے شاندار مشاعرے ہوتے ہیں۔ نئی نسل میں بھی اچھے لکھنے والے پیدا ہو رہے ہیں۔ کئی اچھے رسالے یہاں سے نکل رہے ہیں۔ پھر بھی وزیر تعلیم یہ کہہ رہے ہیں کہ اب تک ہندی اور پنجابی کو نظر انداز کیا گیا تھا اور اردو کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔ یہ کیسی سرپرستی تھی جس کے ماتحت عرصہ دراز تک پنجاب یونیورسٹی میں ایف اے سے لیکر ایم اے تک اردو اختیاری مضمون کی حیثیت سے بھی نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ پنجاب میں اردو کو جو پوزیشن حاصل ہے وہ اس زبان کے چلن اور مقبولیت کی بنا پر ہے جس کا اثر حکومت پر بھی پڑنا ناگزیر تھا۔ حکومت نے ہندی اور پنجابی کو نظر انداز کب کیا تھا۔ اگر تنگ نظری اور تعصب کی چادر ہٹادی جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکار ہو جائے گی کہ پنجاب میں اردو اور پنجابی کا حق ہندی سے زیادہ ہے اور انہیں دونوں زبانوں کو سرکاری حیثیت دینی چاہیے۔ وزیر تعلیم نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ جہاں جہاں مطالبہ ہوا ہے۔ اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ لیکن جہاں کوئی مطالبہ نہیں تھا وہاں قدرتی طور پر کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ شہروں میں بعض اوقات مطالبہ ہوتا ہے مگر اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور صوبے کی حکومت کو اس کی خبر بھی نہیں ہو پاتی۔ اگر حکومت اس سلسلے میں زیادہ چوکس رہے تو اچھا ہے۔ پنجاب میں اردو کے چلن اور پنجاب کی تاریخ، تہذیب، روایات اور فضا پر اردو کے اثرات کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ہمیں یقین ہے کہ پنجاب کے جیالے نوجوان اردو کو بھی پنجاب میں اس کا حق ضرور دلائیں گے۔

محترمہ صفیہ زبیر کا انتقال

بمبئی کی مشہور قومی کارکن، اسمبلی کی ممبر اور اردو کی ممتاز خدمت گزار، محترمہ صفیہ زبیر کے انتقال پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ بمبئی کی قومی و ادبی زندگی میں محترمہ کا ایک مخصوص درجہ تھا انھوں نے تعلیم، سیاست، ادب تینوں بڑے شعبوں میں اپنی دلسوزی اور دلنوازی سے اپنے لئے ایک جگہ بنالی تھی۔ اردو کی خدمت میں وہ کسی سے پیچھے نہیں تھیں اور وہاں کے تمام اہم ادارے ان کے مرہون منت تھے۔ انجمن ترقی اردو کی مقبولیت اور افادیت میں ان کا بھی حصہ تھا۔ ہم ان کے شوہر مسٹر زبیر سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

اردو کانفرنس

کانفرنس کا پروگرام دفتر سے علیحدہ بھیجا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ شاخوں کے نمائندے اور اردو دوست حضرات جنہیں دعوت نامے بھیجے گئے ہیں اچھی تعداد میں شریک ہوں گے اور جلسے کو نمائندہ اور کامیاب بنائیں گے۔ اس وقت سب سے بڑا سوال ہمارے سامنے یہ ہے کہ ہم اردو تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے موثر اقدامات کریں۔ اس کے بعد انجمن کی شاخوں کی نئی تنظیم کا سوال ہے۔ اس کے بعد انجمن کی افادیت اور مقبولیت کو بڑھانا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ صحافیوں اور ناشروں سے زیادہ قریبی رشتہ پیدا کرنا ہے۔ انجمن کی کانفرنس کے لئے ریل کے کرائے میں تخفیف ہو سکتی ہے۔ یعنی ایک طرف کے کرائے میں دو طرف کا سفر ہو سکتا ہے جس کے لئے پہلے سے اطلاع دینی چاہیے تاکہ فارم منگائے جا سکیں۔

انجمن کی خبریں

انجمن کی اردو کانفرنس

کانفرنس کا دعوت نامہ پہلے بھیجا جا چکا ہے اب اس ہفتے میں پروگرام بھیجا جا رہا ہے۔ انجمن علی گڑھ میں قیام و طعام کا انتظام کرے گی۔ اس کانفرنس میں شرکت کے لئے ریل کے کرایہ میں رعایت مل سکتی ہے اس لئے جو حضرات اس کانفرنس میں شرکت کرنا چاہیں دفتر کو اس کی اطلاع دے دیں تاکہ ان کی خدمت میں رعایتی فارم بھیجا جا سکے۔

کانفرنس کا پروگرام حسب ذیل ہے۔

پروگرام اردو کانفرنس

۳، ۴ جولائی ۵۷ء

بدھ ۳ر جولائی۔ پہلا اجلاس

۹ بجے سے ۱۲ بجے دوپہر تک (یونین ہال)

(۱) خطبہ افتتاحیہ

(۲) خطبۂ صدارت

(۳) سکریٹری کی رپورٹ

(۴) قراردادیں

دوسرا اجلاس، ۳ بجے سہ پہر سے ۶ بجے سہ پہر تک (یونین ہال)

(۱) علاقائی زبان کی تحریک کا جائزہ اور آئندہ اقدامات پر غور

تیسرا اجلاس، ۷½ بجے شام سے ۹ بجے شب تک (یونین ہال)

(۱) رسم خط کمیٹی کی رپورٹ پر غور

جمعرات ۴۔ جولائی۔

پہلا اجلاس۔ ۹ بجے صبح سے ۱۲ بجے دوپہر تک (یونین ہال)

(۱) شاخوں کی تنظیم کا مسئلہ

(۲) لغت کمیٹی کی رپورٹ

دوسرا اجلاس، ۳ بجے سہ پہر سے ۶ بجے سہ پہر تک (یونین ہال)

(۱) اردو کے ناشرین کے مسائل

(۲) اردو کے صحافیوں کے مسائل

(۳) کانفرنس کے مختلف جلسوں کی تجاویز

۶ بجے شام انجمن کی طرف سے ایٹ ہوم (دفتر انجمن میں)

بزم مشاعرہ ۹ بجے شب سے ۱۲ بجے تک (یونین ہال)

سندیلہ

انجمن ترقی اردو شاخ سندیلہ کے سکریٹری جناب عبدالمجید صدیقی صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ جناب صغیر احمد صدیقی سحر آنرس سکریٹری منتخب ہوئے ہیں اور اس کام میں ان کا ہاتھ بٹانے کے لئے جناب عبدالحلیم صدیقی اسسٹنٹ آنرس سکریٹری منتخب کئے گئے ہیں۔ چودھری عبدالوحید صاحب نشرواشاعت کمیٹی کے سکریٹری چنے گئے۔

سہسوان

سہسوان سے سید شرافت حسین صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ ۱۳ر مئی کو حکیم سید اعجاز احمد صاحب کی صدارت میں "یوم حسرت" کی تقریب منائی گئی۔ جناب صدر نے حسرت موہانی سے متعلق ایک تقریر کی۔ رشید احمد صاحب نے حسرت کی ایک غزل اس جلسے میں سنائی اس جلسے میں قصبے کے عمائدین کے علاوہ حسب ذیل حضرات نے بھی شرکت کی۔

حکیم سید عبدالقوی، مرزا عبدالجلیل بیگ، مولوی سید انوار احمد سید وصی احمد، مولوی سید محمد عالم صاحب وکیل، ماسٹر سید تہذیب احمد صاحب، ماسٹر عزیز احمد، سید مزمل حسین صاحب۔

بمبئی

تجویز تعزیت

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ بمبئی کی مجلس عاملہ کا ایک جلسہ بتاریخ ۲۰ مئی ۵۷ء شام کو ساڑھے ۶ بجے صابو صدیق ہال میں زیر صدارت مولانا فضل اللہ فاروقی منعقد ہوا۔ مندرجہ ذیل تجویز باتفاق رائے دو منٹ خاموش کھڑے رہ کر پاس ہوئی۔

تجویز:-

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ بمبئی کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ انجمن کی مجلس عاملہ کی رکن مسٹر صفیہ زبیر ایم۔ ایل۔ اے کی اچانک وفات پر اپنے دلی رنج و ملال کا اظہار کرتا ہے۔

مرحومہ نے ایک عرصہ تک انجمن کی نائب صدر کی حیثیت سے اردو زبان و ادب کی خاموش خدمت انجام دی ہے۔ ان کے انتقال سے بمبئی کے ادبی، تہذیبی اور ثقافتی حلقے کو ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔

انجمن کا یہ جلسہ خدائے بزرگ و برتر سے دعا کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ مرحومہ کو فردوس بریں میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

خط کتابت :- براہ کرم دفتری خط کتابت ہمیشہ جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند کے نام سے کیجیے۔ بعض خطوں پر منصب کے بجائے نام لکھا ہوتا ہے۔ ایسے خطوں کی تعمیل میں اکثر دیر ہو جاتی ہے۔

اردو دنیا

نیاز فتح پوری بھوپال میں

اردو کے ممتاز ادیب علامہ نیاز فتح پوری نے یہاں ایک طرحی مشاعرے کی صدارت کرتے ہوئے شاعری میں اسلوب اور ہیئت کے ساتھ ساتھ زبان کی نزاکتوں پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ترقی کے موجودہ دور میں بھی غالب، مومن ذوق اور داغ جیسے اساتذہ کے کلام سے استفادہ کرنا چاہئے۔ ان بزرگوں نے زبان کی نزاکتوں کو جس خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ موجودہ دور کی شاعری میں اسے ابھر کر سامنے آنا چاہئے۔

علامہ نیاز فتح پوری نے تقریباً پانچ ہزار آدمیوں کے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے اردو زبان کی حفاظت کا نعرہ دیا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ مشورہ بھی دیا کہ زبان کو آسان بنایا جائے اور فرمایا اردو شاعری کا موجودہ دور بڑے جوش و خروش کا ہے۔ پہلے جہاں شاعری کا میدان محدود تھا اب اس کے لئے ساری کائنات ہے۔ آج کل شعراء خیال اور مقصد پر زیادہ توجہ دیتے ہیں لیکن اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ زبان پر بھی خاص توجہ دی جائے۔

محاورات کے استعمال کے متعلق آپ نے فرمایا کہ وہ ٹکسالی سکے ہیں۔ ان کا شاعری میں استعمال بہت ضروری ہوتا ہے۔ بھوپال سے اپنے گہرے لگاؤ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے یہاں اپنے شباب کے ۱۰، ۱۵ سال گزارے ہیں جو میری زندگی کا بہترین زمانہ تھا۔ ۱۹۱۷ء میں اسی سرزمین پر میں نے اپنی آخری غزل پڑھی تھی۔ اب چالیس سال کے بعد اپنے بڑھاپے کی پہلی اور شاید آخری غزل پڑھ رہا ہوں

جناب اختر سعید نے علامہ نیاز فتح پوری کا استقبال کرتے ہوئے جب یہ جملہ کہا کہ "میں آج اردو ادب کی پچاس سالہ تاریخ کا استقبال کر رہا ہوں" تو مجمع تالیوں سے گونج اٹھا۔

رات کے دس بجے مشاعرہ شروع ہوا جس میں اطہر سعید ارشد صدیقی، منصور طرازی اور محمد علی تاج نے حصہ لیا۔

ڈائس پر مرزا غالب کی ایک قدآدم تصویر آویزاں کی گئی تھی جسے راشد محمود نے بنایا تھا۔

حکومت پنجاب اور اردو

وزیر اعلیٰ پنجاب مسٹر پرتاب سنگھ کیروں نے اعلان کیا ہے کہ حکومت پنجاب کے تمام اعلانات اب آئندہ تین زبانوں ہندی اردو اور پنجابی میں شائع ہوا کریں گے

ہندستانی ادب پر ماسکو میں جلسہ

ماسکو (روس) میں خواجہ احمد عباس نے موجودہ ہندستانی ادب کا جائزہ لیا اور اس کی روایات کا تجزیہ کیا۔ ان کی تقریر حاضرین نے بہت غور سے سنی۔ ناظم انجلا بلراج ساہنی صاحب نے بھی جلسے میں تقریر کی۔ جلسہ میں ہندستان کے اور کئی ادیب، شاعر اور صحافی بھی موجود تھے جو آج کل سوویت یونین کا دورہ کر رہے ہیں۔

کتب خانہ سالار جنگ میں چوری

حیدرآباد۔ معلوم ہوا ہے کہ کتب خانہ سالار جنگ سے تاریخی کتابوں کی چوری کے سلسلے میں پولیس نے ایک شخص کو جو کتب خانہ ہی میں کام کیا کرتا تھا گرفتار کر لیا ہے۔

پولیس نے اس سلسلے میں تحقیقات شروع کر دی ہے اور گرفتار شدہ شخص کے قبضے سے مسروقہ مال کا کچھ حصہ بھی برآمد کر لیا ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ چند روز قبل کتب خانہ آصفیہ میں کتابوں کی چوری کی جو اطلاع اخبارات میں شائع ہوئی تھی وہ کتب خانہ سالار جنگ سے متعلق ہے۔

لینن گراڈ میں لسانیات کا مسئلہ

لینن گراڈ۔ ۲۳ مئی (تاس)

لینن گراڈ یونیورسٹی اور سوویت یونین کی سائنس اکاڈمی کے علمی ادارہ علوم مشرقی کے مشترکہ علمی اجلاس میں جو ۲۰ مئی کو ختم ہوا، نئی ہندستانی تاریخ اور ہندستانی لسانیات کے مسئلوں پر بحث ہوئی۔

اجلاس کی صدارت اکاڈیمیشین یوسف اوربیلی نے کی جو سب سے بزرگ سوویت مستشرقین میں سے ہیں۔ انھوں نے نئی ہندستانی تاریخ اور لسانیات کے مطالعے میں سوویت طالب علموں کے فرائض کا ذکر کیا اور سوویت یونین اور ہندوستان کے درمیان بڑھتے ہوئے تہذیبی تعلقات کو مزید تقویت پہنچانے کی اہمیت پر زور دیا۔

بزم اردو آگرہ کا مشاعرہ

معین فریدی فتح پوری جنرل سکریٹری بزم اردو، آگرہ سے اطلاع دیتے ہیں کہ :۔

۱۸ مئی ۵۷ء کو بوقت ۱۰ بجے شب ایک شاندار مشاعرہ بسرپرستی بزم اردو آگرہ مسلم ڈوس پایا تنگ، شاہ بمقام تکیہ وزیر شاہ منعقد ہوا۔ مشاعرہ کی صدارت کے فرائض عالی جناب نظام فتح پوری صاحب نائب صدر انجمن ترقی اردو شاخ آگرہ نے انجام دیئے۔ مشاعرہ بڑی کامیابی کے ساتھ ۲ بجے شب کو ختم ہوا اور اس میں مندرجہ ذیل شعرا کرام نے حصہ لیا۔

جناب نظام فتح پوری نائب صدر انجمن ترقی اردو آگرہ پروفیسر مغیث الدین فریدی سکریٹری انجمن ترقی اردو آگرہ حضرت ہوش اکبر آبادی، جناب عزیز میرٹھی، جناب طالب باتھرسی، جناب حسرت اکبرآبادی جناب صہبا اکبرآبادی، معین فریدی فتحپوری، جناب اقبال اختر، جناب ارادت مارہروی جناب تابش اکبرآبادی، جناب مست اکبرآبادی، جناب اصغر اکبرآبادی، جناب دل تاج محلی جناب سرور اکبرآبادی، اختر تاج محلی، جناب چمن اکبرآبادی جناب شمر اکبرآبادی، جناب ثاقب اکبرآبادی، جناب جمیل اکبرآبادی، جناب دنا دھام پوری، جناب زخمی اکبرآبادی، جناب محمد تسیم حسین، جناب صابر اکبرآبادی اور جناب انور عظیم فریدی۔

برہم پور میں اردو کانفرنس اور مشاعرہ

مرزا خالق صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ برہم پور ضلع گنجام (اڑیسہ) میں ۱۲ مئی کو اردو کانفرنس اور عظیم الشان مشاعرہ منعقد ہوا۔ کانفرنس کا افتتاح شری رام چندر انگا بھیم دیو نے کیا اور انھوں نے اپنے افتتاحیہ خطبے میں اردو والوں کو یقین دلایا کہ وہ آئندہ اردو کی ہر تحریک میں دامے، درمے، سخنے امداد فرمائیں گے۔

پھر ڈاکٹر فیروز علی کی زیر صدارت مشاعرے کا افتتاح سہیل مرحوم کے متبرک کلام سے شروع ہوا۔ مولانا نجمی حافظ قیدوم صاحب، طالب کرنولی مرزا خالق، مولانا زندہ خیال رحیم، شمیم، عزمی، اقبال کیفی اور محترمہ پروین نے اپنا کلام سنایا۔

کانفرنس میں اتفاق رائے سے تین تجاویز منظور ہوئیں جو برہم پور علاقے میں اردو پرائمری مدارس کے قیام کتب خانے اور ماہانہ مشاعروں اور سالانہ کانفرنس سے متعلق تھیں۔

غزل

(نذر شاد عظیم آبادی)

پچھلے پہر اشکوں کا یہ عالم ہو چکا جینا اب نہ جئیں گے
شمع کی لو اب کردو مدھم ہو چکا جینا اب نہ جئیں گے

گھر کی چوکھٹ سانجھ سویرے کس کا رستہ تکتی ہے
آس بھی کم کم یاس بھی کم کم ہو چکا جینا اب نہ جئیں گے

یا ہم جل کر راکھ بنیں گے یا پیاسے ہی مر جائیں گے
وہ ہے شعلہ یاد ہے شبنم ہو چکا جینا اب نہ جئیں گے

خواب کے دھندلے شہر میں اکثر اک پرچھائیں پھرتی ہے
یوں نہ ستائے صورت مبہم ہو چکا جینا اب نہ جئیں گے

تم بھی سب کچھ بھول چکے ہو ہم کو بھی کچھ یاد نہیں ہے
کیا تھے اب کیا ہو گئے تم ہم ہو چکا جینا اب نہ جئیں گے

شاذ تمکنت

شاندار ادبی نشست

اردو کے ممتاز اور مشہور شاعر حضرت عرش ملسیانی کے اعزاز میں بزم ادب پنجاب (جالندھر) نے خصوصی نشست ۱۸ مئی کو منعقد کی۔ سردار دربارا سنگھ ممبر پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی رسابق وزیر محکمہ انتقال اراضی کی صدارت میں ۱۲ بجے شب تک شعر و سخن کی محفل گرم رہی۔ جناب عرش کے علاوہ سردار سادھو سنگھ ہمدرد، حضرت چاہر نالوی، جناب ساحر سیالکوٹی۔ سورج کنول سرور۔ ترلوک ناتھ دل سالک نکودری۔ پربھودیال لعل۔ زار گوندلوی۔ پرواز پنڈوروی اور بہارا سنگھ نجمی نے نشست میں اپنا کلام سنایا۔ بزم ادب کی پندرہ روزہ نشستیں باقاعدگی سے منعقد ہوتی ہیں جن میں مقامی شعراء کے علاوہ بیرونی شعرا بھی شرکت کرتے ہیں۔

پرچم کا شاہکار نمبر

سہیل ساجی صاحب بلند شہر سے اطلاع دیتے ہیں کہ پرچم کا شاہکار نمبر میں ہند و پاک کے بلند پایہ شعراء اور ادباء کی نگارشات کے علاوہ فلمی خبریں بھی شامل ہوں گی۔ ماہنامہ پرچم ریلوے روڈ۔ بلند شہر سے مل سکتا ہے۔

علی گڑھ تاریخ ادب اردو

ہمیں بڑی مسرت ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ اردو کے زیر اہتمام لکھی جانے والی تاریخ ادب اردو کا حوصلہ افزا خیر مقدم ہو رہا ہے۔ تاریخ نویسی کے ابتدائی مراحل طے ہو چکے ہیں۔ اس کی پہلی تین جلدوں کا مفصل خاکہ تیار ہو گیا ہے اور اس حصہ کے مرتبین کو کام سپرد ہو چکا ہے۔ اردو کے ادیبوں اور نقادوں سے جس طرح ہماری حوصلہ افزائی کی ہے اس سے قوی امید ہے کہ اردو کی مستند اور جامع تاریخ کی تکمیل کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو کے رہے گا۔ پہلی تین جلدوں کا خاکہ اور مقالہ نگاروں کی فہرست اگلی اشاعت میں پیش کی جائے گی۔

مواد کی فراہمی وغیرہ کے سلسلے میں جو دریافت طلب امور پیش آئیں وہ ہماری زبان کے ذریعے لوگوں تک پہنچائے جا سکتے ہیں۔ ہم سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے تاریخ ادب اردو کے متعلق تمام ضروری اطلاعات شائع کرنا منظور کر لیا ہے

جلد اول کے مقامی شرکا میں ڈاکٹر نذیر احمد صاحب قدیم دکنی نسخوں کی تلاش میں مصروف ہیں۔ انجمن ترقی اردو علی گڑھ کے کتاب خانے میں ان کو قدیم دکنی مثنویاں ملیں۔ نوسرہار مصنفہ اشرف (۹۰۹ھ) اور پرت نامہ مصنفہ فیروز (تین ۹۷۲ھ) نوسرہار کا نسخہ ناقص الطرفین ہے۔ ادارہ ادبیات اردو کے نسخہ کی رو سے ابتدا میں صرف ایک صفحہ غائب معلوم ہوتا ہے مگر ادارہ کا نسخہ بھی مکمل نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ اس نسخہ کی آخری ابیات کے بعد انجمن والے نسخہ میں ایک نیا باب ہے جو ترتیب میں نواں ہے اور اس طرح شروع ہوتا ہے۔

"باب دفتن خبر شہادت بر محمد حنیفہ و آمدن و کردن محاربہ"

ڈاکٹر زور نے ادارہ کے نسخہ کے متعلق جو اطلاعات بہم پہنچائی ہیں ان سے اندازہ ہوا کہ دونوں نسخوں میں علاوہ ترتیب کے اور بھی اختلافات پائے جاتے ہیں ممکن ہے انجمن کے نسخے کا یہ زائد باب ادارہ کے نسخے میں درمیان میں آ گیا ہو۔

پرت نامہ فیروز دکنی ہے جو ادارہ ادبیات کے نسخہ میں توصیف نامہ کے نام سے موسوم ہوا ہے۔ ادارہ کا نسخہ ناقص الآخر ہے اس کی بنا پر فیروز کے نام اور وطن کا پتہ نہیں چلا مگر انجمن کا نسخہ کامل ہے اور اس کی بنا پر یہ طے ہو گیا کہ فیروز گولکنڈہ کا شاعر نہیں ہے بلکہ بیدر کا ہے۔

رشید احمد صدیقی

صدر شعبۂ اردو، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

جامعہ اردو علی گڑھ

ریاست جدید کانپور مورخہ ۲۰ مئی ۵۵ء میں ڈاکٹر عبد العلیم صاحب نامی دہلی کا ایک مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے جامعہ اردو کے اعزازی رجسٹرار سید ظہیر الدین علوی صاحب سے متعلق ایسی باتیں بیان کی ہیں جو میرے نزدیک غلط اور نازیبا ہیں۔ معلوم نہیں وہ کون سی علی گڑھ کمیٹی ہے جس کے نامی صاحب حال میں سکریٹری مقرر ہوئے ہیں۔ یونیورسٹی اور انجمن ترقی اردو کے کسی ذمہ دار فرد کو اس کمیٹی اس کے مقاصد اور اس کی خدمات کا کوئی علم نہیں ہے۔ موصوف گذشتہ اپریل میں علی گڑھ تشریف لائے تھے۔ دو ایک سے ملے تو انھوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار یہاں کسی ذمہ دار شخص سے کیا کہ جامعہ اردو کو انجمن ترقی اردو میں مدغم کر دیا جائے یا یونیورسٹی اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لے ان کی اس طرح کی تجویز پر مجھے بڑی حیرت ہے جہاں تک میرا خیال ہے یونیورسٹی یا انجمن ترقی اردو کو جامعہ اردو کا انتظام و انصرام اپنے ہاتھ میں لینے کا نہ حق ہے نہ خواہش۔ خود جامعہ اردو کی جماعت منتظمہ کا بھی اس طرح کا کوئی ارادہ نہیں ہے وہ جامعہ کے نظم و نسق کو کسی دوسرے کے سپرد کر دے۔

جامعہ اردو کے کام میں میں سالہا سال سے شریک ہوں۔ یونیورسٹی کے متعدد ممبر ذمہ دار افراد اس کی مختلف کمیٹیوں کے ممبر ہیں۔ انجمن کے سکریٹری پروفیسر آل احمد سرور بھی جامعہ اردو کی انتظامی کمیٹی کے ممبر ہیں اور یونیورسٹی اور انجمن دونوں کا پورا تعاون جامعہ اردو کو حاصل ہے جامعہ نہایت خوش اسلوبی سے اپنا کام انجام دے رہی ہے۔ اس کے امتحانات ملک میں مقبول ہو رہے ہیں اور ہر اعتبار سے ہر حلقہ میں مستند سمجھے جاتے ہیں۔ مختلف یونیورسٹیاں رفتہ رفتہ اس کے امتحانات تسلیم کرتی جا رہی ہیں۔ اس کے رجسٹرار سید ظہیر الدین علوی بڑی خاموشی۔ قابلیت۔ محنت اور ایمانداری سے اس کے کاموں کی مسلسل دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں۔ موصوف کا اس جامعہ سے کوئی ذاتی فائدہ وابستہ نہیں ہے۔ جامعہ کی آمد و خرچ کی نگرانی اسی طرح سے کی جاتی ہے جس طرح مقررہ قانون اور ضابطہ کے ماتحت کسی ذمہ دار اور مستند ادارہ کی کی جاتی ہے۔ نامی صاحب کو یقیناً اس کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے امتحانات قائم کریں اور ان کو فروغ دیں لیکن ان امتحانات کی خاطر جامعہ اردو یا اس کے مخلص کارکنوں میں سے کسی کو بدنام کرنا قرین انصاف نہیں ہے مجھے اس بات کا رنج ہے کہ جامعہ کے ایسے مخلص کار گزار کی خدمات کو سراہنے کے بجائے اس کو مطعون کیا جائے۔ مجھے امید ہے کہ جامعہ اردو کے بے شمار بہی خواہ حسب معمول اپنے لطف و کرم سے جامعہ کی مدد فرماتے رہیں گے جس کے لئے میں ان کا شکر گزار ہوں گا۔

رشید احمد صدیقی

(نائب شیخ الجامعہ، جامعہ اردو، علی گڑھ)

آثارِ ادبیہ　　　مختار الدین احمد

اشعارِ ذوق

(بہ سلسلۂ گذشتہ)

تیغ مژگاں ادا وہ بانکا جوان لینے لگا　　موت کی بی میں مرے یہ تیر جاں لینے لگا
ہجر میں ہر شب ہجر کی ہونے لگی جوں روز حشر　　مجھ سے یہ کس دن کے بدلے آسماں لینے لگا

غازہ سے رنگت ترے منھ کی کھل جائے　　دلکش آئینہ جو تجھ سے تو قلعی کھل جائے

کاٹنے طوق ... جادیدۂ سوزن کو لگے　　یار کیوں توڑتے ... ترے گردن کو لگے؟
حیرت اس حیلہ جویوں میں جو تڑپ اٹھے ہے　　ذبح کرتے ہیں جو دیوار بت پرفن کو لگے؟

ہم ہیں غلام ان کے جو ہیں وفا کے بندے　　اس کو یقین جو وکر ہو خدا کے بندے
ہوا نالہ جب درد آلود سمجھے　　کہ تجھے عشق حواس بے ہود سمجھے
کوئی جو اوس کو پڑھ کر عاشق کو خط سنائے　　اک لفظ مطلب سو بے لفظ سنائے

ڈسا جو کالے نے جس کو کافر وہ فسوں کے اثر سے کھیلے
زبانِ گیسو کا تیرے مارا منھ سے بولے نہ سر سے کھیلے

تذکرۂ عیار الشعراء　ورق ۱۳۶ ب، ۱۳۷ الف

شیخ محمد ابراہیم ذوق تخلص، وے از ساکنین دار الخلافہ شاہ جہاں آباد است۔ اکثر در مجلس مراختہ وارد می گردد و فواید قواعد شعر بہ از خدمت سراپا برکت محمد نصیر الدین نصیر کی ربایہ این ابیات ازوست:

مت ورے اتنا جو خدا اپنے تو اے بت　　بیٹھا مجھے اب رنج سے دربان سمجھ کر

گمہ دیدہ کو چشم حقیقت سے اب تو ذوق　　ہر سمت جلوہ گر ہے اسی کا بہار حسن

چاندنی رات تھی جب تجھ بن نہ پیہ دکھایا تھا　　مجھ کو ماہتاب نے دھوپ میں بٹھایا تھا

سر ہمارا اس کے وقت ذبح زیر پائے ہے　　یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

تیں دن وصل کے وعدے پہ جو آتا ہے مجھے　　چاند ہوتا ہی تو تو وہ ترساتا ہے مجھے

جھڑپ اور سایہ ترے کوچہ کی دیواروں کا　　کام جنت میں ہے کیا ہم سے گنہگاروں کا
لے بہار آتش دل سینہ میں مثل مشعل　　کثرت داغ سے انبار ہے انگاروں کا
آرزو ہے کہ جو خورشید قیامت ہو گرم　　سایہ اس کشتہ ابرو پہ ہو تلواروں کا
ہائے وہ عاشق جانباز کہ کل مدت تک　　حیف تیرہ رہا تجھ سے جگر داروں کا
کیا تعجب ہے نہیں ازمرگ بھی ..... تو وہ　　دل میں پیکانوں کا اور سینہ میں سوفاروں کا
ذوق تیرہ کہاں زلف سیاہ کافر کی　　ہے مگر نامۂ اعمال گنہگاروں کا

مقابل اس مہ تاباں کے شمع گر ہو جائے　　صبا یہ دھول لگا دے کہ پھر سحر ہو جائے
وہ گرم ہے یہ مری آہ آتشیں اے ذوق　　کہ جس سے برق بھی خاکستر و خاکستر ہو جائے

تارا سا ہوں کو نہیں کرتا پریشان آپ　　گو ظلم آسماں پہ ہو زیر زمیں ہوں میں

تذکرۂ صدر الدین آزردہ　ص ۲۲، ۲۳

ذوق تخلص شیخ ابراہیم است مولد و مسقط الراسش شاہ جہاں آباد۔ در بدایت حال اشعار خود بہ نظر محمد نصیر الدین تخلص بہ نصیر کہ از مشاہیر شعرائے ریختہ گویان دہلی است آوردہ آخر بکثرت مشق اندریں فن بجائے رسیدہ است کہ امروز خود سخن گوئی ..... در اقران و امثال خود ممتاز است۔ در سلک ..... مرزا ابو ظفر ولی عہد حضرت ظل سبحانی انتظام دارد در جہت تکمیل فن شعر و اساتذہ انقلاب قدم در وادی تحصیل علوم رسمیہ گذاشتہ از صرف و نحو فارغ شدہ قواعد منطق را یادی کرد ... از کلام او کمتر بنظر راقم رسیدہ این چند بیت کہ از یکے احبائے زبانی یاد گرفتہ بود دریں اوراق ثبت شدہ ازوست:

ہیں تدبیر کچھ بنتے پڑی سر کو پٹکتے ہیں　　نہ دل چھوٹے ہے ... کو اور نہ ہم چھوٹ دیا

کون وقت اے وائے گزرا جی کو گھبراتے ہوئے　　موت بیٹھی ہے [illegible] آتے ہوئے
وہ زنجیر کی رات مجھ کو ... بخت خفتہ کی　　کٹ گیا [illegible] زنجیر کھڑکاتے ہوئے

وحشت آزار [illegible] ہے　　مژدہ خار دشت پھر تلوا [illegible] ہے
سر جو تیغ ناز [illegible] ہے　　یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے
جل بجھا [illegible]　　اف ری بیتابی کہ دل [illegible] ہے
داغ شور محبت خوب ہی بچپن کا نمک　　آنکھ سے [illegible] ہے

دل کو چاک جگر جیسے کا سن سن اپنے　　[illegible]

مآخذ:

تذکرۂ عمدۃ المنتخب نسخہ وزارت ہند لندن عکس مملوکۂ راقم
تذکرۂ عیار الشعراء نسخہ وزارت ہند لندن عکس مملوکۂ جناب مالک رام صاحب
تذکرۂ شعرا از ابن طوفان مرتبہ جناب قاضی عبد الودود پٹنہ ۱۹۵۳ء
دیوان ذوق میں آزاد کے اضافے از محمود شیرانی رسالہ ہندستانی الہ آباد جنوری ۱۹۴۰ء
دیوان ذوق مرتبہ محمد حسین آزاد محبوب المطابع دہلی ۱۹۳۲ء
تذکرہ صدر الدین آزردہ عکس مملوکۂ راقم

معاصرین

پنجاب میں اردو

بعض اوقات بدی سے بھی نیکی بر آمد ہو جاتی ہے۔ پنجاب میں ہندی اور پنجابی کا جھگڑا یوں تو عرصے سے موجود ہے مگر حال ہی میں اس نے خاص شدت اختیار کرلی ہے اور اگر کوئی فیصلہ نہ ہوا تو شاید ستیہ گرہ بھی شروع ہو جائے اور اگر معاملہ بگڑ جانے لگا تو کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔ بہرحال ان دو زبانوں کے تصفیہ میں تو ابھی گفت و شنید جاری ہے۔ یہ دیر ہو رہی ہے اور ایسی امیدیں بھی قائم ہو رہی ہیں کہ شاید تصفیہ ہو جائے۔ مگر پیرسوں مکھیہ منتری شری پرتاپ سنگھ کیروں نے یہ اعلان کر کے کہ آئندہ سرکاری اعلانات ہندی اور پنجابی کے علاوہ اردو میں بھی ہوتے رہیں گے۔ ایک بڑی کمی ہی کو پورا نہیں کیا بلکہ فریقین یعنی اکالیوں اور ہندی پریمیوں آریہ سماجیوں کے لئے بھی مقام فکر نہیں تو مقام غور ضرور پیدا کر دیا ہے جو موجودہ زبان کے مسئلہ کا سارا ایجی ٹیشن حقیقتوں سے کتنا دور ہے اس کا ایک بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ گو سارا ایجی ٹیشن اردو زبان میں ہو رہا ہے۔ مگر اس چیز کو کوئی بھی تو نہیں پوچھتا جس کے سہارے یہ زور آزمائی ہو رہی ہے۔ زبان کا تعلق اگر فی الحقیقت روزانہ زندگیوں سے ہوتا ہے تو اردو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یہاں تو زبان کا تعلق مذہب اور فرقے سے ہے پنجاب میں چونکہ مسلمان نہیں رہے اور اردو کو انہیں کی زبان سمجھا جاتا ہے لہٰذا اس کا کوئی پرسان حال نہیں ورنہ کون نہیں جانتا کہ اگر پنجاب میں آج کوئی حکم نافذ ہو جائے کہ جو کوئی اردو بولے گا یا اسے کسی بھی شکل میں استعمال کرے گا تو گردن زدنی سمجھا جائے گا تو ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں۔ پنجاب میں سارا ہی نظام درہم برہم ہو جائے کم از کم ان لیڈروں اور اخبارات کا تو ناطقہ ہی بند ہو جائے جو ہندی اور پنجابی، گورمکھی اور دیوناگری کا اتنا شور مچا رہے ہیں کہ کان پڑی سنائی نہیں دیتی۔ آج اگر ان اکالیوں اور ہندوؤں کی ایک فہرست مرتب کی جائے جو موجودہ ایجی ٹیشن میں پیش پیش ہیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے اکثروں (اگر تمام کے نہیں) کے بیٹے بیٹیاں اور پوتے پوتیاں پنجابی ہندی یا اردو میں نہیں بلکہ انگریزی میں تعلیم حاصل کرنے میں سرگرداں ہیں اور اس سے کچھ بچے ہوئے ہیں تو اس لئے نہیں کہ خواہش نہیں ہے بلکہ اس لئے کہ سادھن نہیں ہیں۔

اگر فی الواقع زبان کا تعلق روزانہ عملی زندگیوں سے ہے تو پنجاب میں اردو کو اولیت نہیں تو دوسرا یا تیسرا درجہ ضرور ملنا چاہئے بلکہ ہو مسلم لیگ کا کہ اردو کو نہ صرف مسلمانوں کے ساتھ بلکہ اسلام کے ساتھ نتھی کر گئی۔ پاکستان میں اس کی نشو و نما کو کیا ہوتی ہندوستان میں بھی اس کا بازار چوپٹ ہو گیا۔ پنجاب کے فرقہ پرست پنجابی صوبہ کی یا ستیہ گرہ کی دھمکیوں سے بھلے ہی حکومت کو مجبور کر کے غلط چیزیں منوا لیں مگر حقیقت تو چھپ نہیں سکتی۔ فی الحال تو صورت یہ ہے کہ پنجابی ایک بولی ہے مگر ہر خاص و عام کی لپی گورمکھی ہے مگر محدود طبقہ کی یہی حالت دیوناگری کی ہے۔ اردو البتہ ایک ایسی زبان ہے کہ اسے پنجابی اور ہندی کے دونوں بولنے والوں کی سانجھی زبان کہا جا سکتا ہے۔ اردو رسم خط کو یہ دونوں بخوبی لکھ پڑھ سکتے ہیں بلکہ مقابلۃً زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔ ان تینوں زبانوں سے بڑھ کر انگریزی کو مرتبہ حاصل ہے (اور اس میں آئے دن کمی نہیں بلکہ اضافہ ہوتا جاتا ہے) وہ شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ تمام صورت حال پر اگر تعصب سے اوپر اٹھ کر اور بے لاگ ہو کر غور کیا جائے تو یہ بات بلاشک ماننی پڑے گی کہ اگر ہندی یا پنجابی کی کچھ ترقی ہو سکتی ہے تو ایک دوسری کی مخالفت سے ہرگز نہیں ہو سکتی۔

پلیٹ فارم پر ہندی کا پرچار گھر میں پنجابی میں بات چیت۔ شور گورمکھی یا دیوناگری لپی کا کریں خط و کتابت اور اخبار نویسی اردو میں کریں بچوں کو تعلیم دلاتے وقت دونوں یا تینوں زبانوں سے بے نیاز ہو کر آزادی مقصد انگریزی قائم کریں۔ اگر یہ سارا شور و شر محض فرقہ پرستی یا مفاد پرستی نہیں تو کیا ہے؟ ان شور مچانے والوں میں کتنے ایسے ہیں کہ ان کی لیڈری کا دار و مدار ہی زبان کے مسئلہ کی برقراری ہے ہمارے ایک معاصر نے کل ہی لکھا تھا کہ حکومت کے ساتھ وہی ہندو ہیں جو یا تو وزیر بن چکے ہیں یا جنہیں بننے کی امید ہے۔ ہندی پریمیوں میں حکومت کے مخالفوں کا شمار کرتے وقت ہریانہ پرانت کے پنڈت شری رام شرما کے سر سہرا باندھا گیا۔ معاصر نے یہ نہیں بتایا کہ پنڈت شری رام شرما کا شمار کہیں ان لوگوں میں تو نہیں جو وزارت سے مایوس ہو کر ایجی ٹیشن میں شرکت کر رہے ہیں۔

پنجاب دو نہیں ایک ہی رہے گا۔ اس میں ہندی اور پنجابی ہی نہیں بلکہ اردو اور انگریزی بھی رہیں گی۔ اردو کے محافظ بھی اور نہیں ہوں گے نہیں تعجب نہ ہوگا ہندی اور پنجابی کے نام نہاد پریمی ہی ہوں گے۔ ہمیں تعجب نہ ہوگا اگر کسی دن اردو ان دونوں زبانوں میں باہمی جھگڑے کی وجہ سے دونوں پر ہی سبقت نہ لے جائے حکومت کو چاہئے کہ اسکولوں میں نہ صرف ہندی، پنجابی اور اردو کی سکھلائی کا برابر انتظام ہو بلکہ کھلی چھٹی بھی ہو کہ بچہ جو چاہے زبان سیکھے۔ انگریزی کو یک لخت بند کر دے پھر دیکھیں ایجی ٹیشن کیا صورت اختیار کرتا ہے۔

(روزنامہ "تیج" دہلی)

پرائمری اسکولوں میں اردو ٹائپ

جناب زین العابدین (اجینی)

رومن رسم خط کے بعد عربی خط نسخ ہی وہ رسم خط ہے جو دنیا کے بیشتر حصوں میں رائج ہے اس خط نسخ نے کافی ترقی کرلی ہے اور یہ خط اپنے اندر بہت زیادہ جاذبیت اور خوشنمائی رکھتا ہے۔ مصر و شام میں یہ مشینوں تک کام میں لائی جاتی ہے۔ ویسے پورے مغربی ایشیا میں چاہے وہ افغانستان و ایران ہوں یا عرب ممالک سب ملکوں میں یہی رسم خط رائج ہے اور پاکستان بھی اسی ڈگر پر جا رہا ہے۔

ان حالات میں اس پر غور و فکر بیکار ہے کہ ہم خط نسخ کو اپنائیں یا نہ اپنائیں اور اس سے بھی زیادہ یہ بات بحث سے خارج ہے کہ ہم خط نسخ میں اصلاح و ترمیم کی کوشش کریں خاص کر اس وجہ سے کہ ہمارے پاس وہ وسائل نہیں جو ان باتوں کے لئے درکار ہیں۔

ابھی ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم پوری تیزی کے ساتھ خط نسخ کو اپنانے کے سلسلے میں اقدام کریں اور سارے ہندوستان کے اخبارات و رسائل کو نسخ میں بدل دیں۔

لیکن یہ معمولی کام نہیں ہے اور اتنے بڑے کام کو صرف انجمن ترقی اردو ہند ہی انجام دے سکتی ہے مگر اس کام کو انجام دینے سے پہلے کافی سوچنا پڑے گا۔

میرے خیال میں کام کا آغاز پرائمری اردو اسکولوں سے کیا جا سکتا ہے۔ اگر پرائمری اردو اسکولوں میں باقاعدہ نسخ کے ذریعے کام شروع کیا جائے اور یہی نہیں مختلف صوبوں کی ٹکسٹ بک کمیٹی کے ذریعے پرائمری اردو اسکولوں کے لئے صرف وہ اردو کتابیں منظور کروائی جائیں جو اچھی نسخ میں چھپی ہوں تو پانچ سالوں کے اندر بہت بڑی تبدیلی ہو سکتی ہے اور پھر دوسرے پانچ سال میں سکنڈری سکولوں کی کتابیں بھی نسخ میں تبدیل کی جا سکتی ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ پبلشرس اور ان سے زیادہ پرنٹرس کو اس سے تھوڑی تکلیف ہوگی لیکن ان کی دقتیں بہت کم ہو جائیں گی جب وہ یہ دیکھیں گے کہ اردو کتابیں ان ہی مشینوں پر چھپ رہی ہیں جن پر ہندی انگریزی اور دوسری علاقائی زبانوں کی کتابیں چھپتی ہیں۔

لیتھو والوں کو نقصان ضرور ہوگا لیکن جہاں تک کاتبوں کا تعلق ہے وہ اپنے کو کمپوزیٹر میں بدل سکتے ہیں اور کمپوزنگ کے ذریعے ان کی آمدنی اس سے کہیں زیادہ ہوگی جتنی کہ اب انہیں کتابت کے ذریعے ہو رہی ہے اور ان کے لئے کمپوزنگ سیکھنا کچھ زیادہ مشکل بھی نہیں۔ اصل چیز ہے مہارت اور سرعت جو آہستہ آہستہ پیدا ہوگی مگر جہاں تک آمدنی کا تعلق ہے اس میں اول روز بھی بالکل کمی نہیں ہوگی اور پھر اردو نستعلیق بلاک میکرس کی بھی ضرورت رہے گی جس کو یہی لوگ اچھی طرح انجام دے سکیں گے۔

اگر مختلف ریاستوں کی انجمنیں (انجمن ترقی اردو) ریاست کے اردو نواز وزراء اور ٹکسٹ بک کمیٹی کے ممبران سے مل کر اردو رسم خط کی اس خامی کو دور کرانا شروع کردیں تو پانچ سال کے اندر ابتدائی اسکولوں کی ساری کتابیں اردو خط نسخ میں بدل جائیں گی اور پھر دوسرے پانچ سالوں میں ثانوی اسکولوں کی کتابیں بدل جائیں گی۔ یہی نہیں اس دس سالہ مدت انقلاب میں بچوں کے سارے رسالے اور دوسری کتابیں اور اخبارات کے رسم خط میں بھی بہت زیادہ تبدیلی پیدا ہو چکی ہوگی۔

خطبہ تقسیم اسناد ہندی پرچار سبھا حیدرآباد

(از خواجہ غلام السیدین)

(بہ سلسلہ گزشتہ)

مگر میں صاف طور پر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ یاس اور نا امیدی کا پیغام ہے۔ اگر ہمیں زندگی کو ایک نئے روپ میں ڈھالنا ہے تو ہمیں مادی قدروں کے ساتھ ساتھ لیکن اس سے کہیں زیادہ ادبی اور اخلاقی قدروں سے رشتہ جوڑنا ہوگا اور دیس میں اس زندگی کی عمارت بنانے کے لئے نئی بنیادیں ڈالنی ہوں گی ان بنیادوں میں ایک بہت اہم بنیاد زبان ہے جو فرد اور قوم دونوں کی زندگی میں اس طرح رچی بسی ہوئی ہے جس طرح شعر میں آہنگ یا شمع میں روشنی۔ زبان ہی کے ذریعے ہمارے وچاروں میں صفائی پیدا ہوتی ہے اور دل کی بات سانچے میں ڈھل کر سامنے آتی ہے۔ اسی کی مدد سے ہم اپنے پاس اور دور کے ساتھیوں کے ساتھ بات چیت کرتے اور میل جول رکھتے ہیں ورنہ ہماری حالت ایسی ہوتی ہے جیسے ایک بہت بڑے ساگر میں پھیلے ہوئے جزیرے جن کا ایک دوسرے کے ساتھ کوئی سمبندھ نہ ہو۔ یہی زبان ہے جو کہیں بچوں کی توتلی بولی کی شکل میں ہمارا دل بہلاتی ہے۔ کہیں ٹیگور کے گیتوں کے سانچے میں ڈھل کر دلوں کو ٹھنڈک پہنچاتی ہے کہیں ابوالکلام آزاد کی تقریر اور سروجنی دیوی کی شاعری بن کر ان میں آگ لگاتی ہے۔ ہمت اور جوش اور حوصلے کی آگ اور کبھی گاندھی کی سیدھی سادی واٹی سے نکل کر دل میں اتر جانے والی بولی میں دنیا کو پریم اور شانتی کا پیغام پہنچاتی ہے۔ کتنی بڑی نعمت ہے یہ خدا کی جس نے انسان کو دوسرے تمام حیوانوں سے الگ اور اونچا کر دیا ہے اس شان سے کہ انسان کی تعریف ہی "حیوان ناطق" یعنی بولنے والا جانور قرار پائی۔ لیکن کیسے اچنبھے کی بات ہے یہ، دوستو اور عزیزو کہ یہی زبان بجائے دلوں کو جوڑنے کے دلوں کو توڑنے کا ذریعہ بن جاتی ہے اور اپنی زبان سے محبت جو ایک قدرتی اور شریفانہ جذبہ ہے دوسری زبانوں سے نفرت کی شکل اختیار کر لیتی ہے زبان تو ایک امر اور امٹ دھن ہے اور جو شخص اس کو بولتا اور برتتا ہے وہ اس دھن میں شریک ہو جاتا ہے جو شخص ایک زبان جانتا ہے وہ مقابلۃً غریب ہے دھنوان نہیں جو شخص کئی زبانیں جانتا ہے وہ زبان بھی جو اس نے اپنے ماں کے دودھ کے ساتھ پائی ہے اور وہ زبانیں بھی جو دوسروں نے اپنی ماؤں کے دودھ کے ساتھ پی ہیں وہ بہت زیادہ دولت کا مالک ہے ان کی بدولت اس کے لئے دوسرے لوگوں اور ملکوں کی تہذیب اور تمدن ذکر و فکر ساہتیہ اور کلا، سائنس اور فلسفے کے دروازے کھل جاتے ہیں لیکن نہ معلوم یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ بجائے اس سیدھی سادی اور صاف بات کو سمجھنے کے نہ صرف ہمارے دیس میں بلکہ دنیا بھر کی تاریخ میں زبان کے جھگڑے ٹنٹوں نے نفرت اور تعصب کی آگ کو بھڑکایا ہے۔ اس وقت دنیا بھر کا ذکر تو کیا کروں لیکن پچھلے چند دنوں ہی میں ہندستان کے صوبوں اور ریاستوں ہی میں نئی تقسیم کے وقت جو فتنہ بپا ہوا اس کی یاد ابھی تک کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے۔ ہمارے دل میں یہی چاہتا ہے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر جو آپ کی دعوت نے مجھے دیا ہے نہ صرف آپ کے کام کو سراہوں کہ آپ دیس کی مختلف زبانوں کے بیچ میں مفاہمت کے پل بنا رہے ہیں بلکہ ان سب لوگوں کے دلوں کو ٹٹولوں جنھوں نے اس گھر کو نہیں پہچانا بلکہ اپنی ناسمجھی اور ضد سے زبان کی تلوار کے ذریعے بھارت ماتا کے ٹکڑے کرنے کی کوشش کی۔ یہ معاملہ صرف ہندی اردو کا نہیں ہندی انگریزی کا نہیں ہندی اور غیر ہندی زبانوں کا نہیں بلکہ ساری زبانوں کے باہمی رشتے کا ہے ہمارے اس دیس میں جہاں کثرت بھی ہے اور وحدت بھی۔ دوئی بھی ہے اور ایکتا بھی۔ جو بہت سی دور دراز کی تہذیبوں اور وچار دھاراؤں کا سنگم ہے۔ ہمارے لئے عقل کا راستہ ایک ہی ہے کہ ہم سب زبانوں کا سواگت کریں کہ وہ ہمارے پیارے دیس کی زبانیں ہیں ہم اپنی مادری زبان اس لئے سیکھیں کہ اس زبان میں ہم وچاروں اور بھاوناؤں کو زیادہ سے زیادہ خوبصورتی کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔ ہندی زبان سیکھیں کہ وہ ملک کی مشترک زبان اور ملک کی ایکتا کو ظاہر کرنے اور مضبوط کرنے کا ذریعہ ہے۔ دیس کی

دوسری زبانیں سیکھیں کہ وہ ہمارے دوستوں اور پڑوسیوں اور دیس باسیوں کی زبانیں ہیں دوسرے ملکوں کی بھاشاؤں کو سیکھیں خاص کر انگریزی کو جس کے ذریعے ہم نہ صرف مغرب کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑ سکتے ہیں بلکہ دنیا کے دوسرے دیسوں کے ساتھ بھی بات چیت، میل جول اور لین دین کر سکتے ہیں۔ اس میں جھگڑے اور فساد کا تلخی اور تشدد کا موقع کون سا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہر شخص کو سب زبانیں سیکھنی چاہئیں۔ یہ تو ممکن ہی نہیں لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ ہر شخص کو حق ہے کہ وہ جتنی زبانیں چاہے سیکھے۔ اپنی زبان اچھی طرح سے سیکھے اور اس میں تعلیم پائے اور ہندی کو اس حد تک پڑھے کہ ملک کے کسی حصے میں بھی خود کو اجنبی سا محسوس نہ کرے۔ ہندی اور اردو کا جھگڑا اس وجہ سے بھی بے معنی ہے کہ ان کے میدان الگ الگ ہیں۔ دکن اور پورب کے پرانتوں میں اگر ایسی زبانیں بولی جاتی ہیں جن کا رشتہ ہندی سے دور کا ہے تو اس کے یہ معنی تو نہیں کہ اپنے دور کے رشتہ داروں کے ساتھ ایک گھر میں امن اور آشتی کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اور یہ گھر کوئی تنگ یا چھوٹا سا گھر بھی تو نہیں ہے۔ دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ اس گھر میں رہتا ہے۔ ہندی کو ان سب زبانوں کے دھن سے اپنی جھولی کو بھرنا ہے تاکہ وہ ملک کے دل کی دھڑکن اور پکار کی ترجمانی کر سکے اور ساتھ ہی ان سب زبانوں کو ہندی کا کھلے دل سے سواگت کرنا ہے۔ تاکہ وہ اس کو بھی اپنی ہی دولت میں شمار کریں۔

اس سلسلے میں ہندی ہندستانی اور اردو کا قصہ بھی اٹھتا ہے اس کا کارن سمجھنے سے تو میں بالکل معذور ہوں بلکہ شاید یہ کہنا چاہئے کہ سمجھ تو سکتا ہوں ایک حد تک لیکن اس قصے کو بڑھانے والوں کی سمجھداری میری سمجھ میں نہیں آتی۔ کارن تو یہی ہے کہ انگریزوں نے دلوں میں فرق ڈالنے کے لئے جہاں اور بہت سی تدبیریں اختیار کیں وہاں ہندی اور اردو کے فرق کو چمکایا اور بڑھایا اور تف ہے ہماری بھول اور نادانی پر کہ ان دونوں زبانوں (بلکہ ایک ہی زبان کے دو سنگاروں) کو بنانے میں ہم سب نے جو حصہ لیا تھا اس کو بھلا کر ہم اُن کی چال میں آگئے اور اپنا مشترک ورثہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

وائے بر سادگیٔ ما کہ فسونش خوردیم
رہزنے بود کمیں کردہ رہ مردم زد

افسوس ہے ہماری سادگی پر کہ ہم اس کے جھانسے میں آگئے ایک ڈاکو تھا جو گھات میں بیٹھا اور اس نے راستہ چلتوں کا راستہ کاٹ ڈالا۔ اور دنیا کا تماشا کہ ابھی تک ہم صحرا میں بھٹک رہے ہیں۔ پھر اس کے بعد جب ہماری بدقسمتی ہندوؤں اور مسلمانوں کے سیاسی جھگڑوں کی شکل میں ظاہر ہوئی تو ہندی کو ہندوؤں کے ساتھ اور اردو کو مسلمانوں کے ساتھ منسوب کر دیا گیا اور جو زہر اور کڑواہٹ سیاسی رشتوں میں پیدا ہوئی تھی وہ صحافت اور زبان میں بھی سرایت کر گئی۔ ملک کی تمام زبانوں میں کوئی زبان بھی ہندی کے اس درجہ قریب نہیں جتنی اردو۔ دونوں زبانوں میں ۹۰ فیصدی سے زیادہ لفظ ایک ہیں۔ زبان کا عام کینڈا اور گرامر ایک ہے۔ سارے فعل اور ضمیر اسم ایک ہیں۔ فرق جو ہے وہ زیادہ تر اسمائے صفت کا ہے جو زبان کی آرائش اور زیبائش کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور اس کے سنگار کا ذریعہ ہیں۔ اردو نے یہ سنگار کا سامان زیادہ تر فارسی عربی سے لیا اور ہندی نے سنسکرت سے۔ لیکن اس کے باوجود وہ ابتدا میں اس قدر گھلی ملی اور شیر و شکر تھیں کہ مدت تک اردو نے ہندی کے نام کو اپنایا اور اس کے ساتھ کبھی غیریت کے سلوک کا خیال دل میں نہ آیا۔ دونوں زبانوں کے لکھنے والوں اور بولنے والوں نے کبھی تنگ دلی نہیں دکھائی بلکہ ہندی کے شبد ساگر میں ہزاروں عربی اور فارسی اور خالص اردو کے لفظ اور اردو کی مستند لغات میں ہزاروں ہندی اور سنسکرت سے نکلے ہوئے لفظوں نے مہمانوں کی حیثیت سے پناہ لی اور بولنے والوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور میزبانوں کی کی طرح ان کی آؤ بھگت کی۔ اردو زبان کے بہت سے شاہکار اس تحریک کی گواہی دیتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

(پرنٹر عتیق احمد پرنٹر و پبلشر نے مسلم یونیورسٹی پریس میں چھپوا کر دفتر سے شائع کیا)